قرآن کے مخاطبین

شہید مرتضیٰ مطہری

عصر حاضر کو علمی ترقی اور آگہی و بیداری کا دور کہا جاتا ہے اور فنی وتکنیکی ایجاد وترقی کی آڑ میں دنیائے بشریت کو عریانیت وبرہنگی ، حیوانیت وہوس پرستی، قتل وغارت گری اور سرکاری دہشت گردی وانسان کشی کو نت نئے انداز سے فروغ دیا جارہا ہے ۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے تمام ہتھکنڈوں کا بھرپور استعمال کیا جارہا ہے جس سے عوام الناس کو مذہبی اور انسانی قدروں سے دور کیا جاسکے چنانچہ عراق، افغانستان، فلسطین اور دنیا کے دیگر ملکوں میں دنیائے انسانیت کو لرزہ براندام کردینے والی ظالمانہ حرکتوں پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس کتاب الٰہی کو نذر آتش کرنے کا کام بھی انجام پاچکا جو فقط مسلمانوں کی کتاب نہیں بلکہ انسانوں کی کتاب ہے اور خدا ترس انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے جی ہاں ! قرآن کا مخاطب انسان ہے اور قرآن سوزی کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی نابودی کا خواب دیکھنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن سوزی موجودہ صدی کا ایسا حیرت انگیز واقعہ ہے جس کو معجزہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کے دور رس نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ علم وآگہی کے متوالوں میں یہ لگن پیدا ہوسکتی ہے کہ آؤ اس کتاب کو پڑھ کر تو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے ۔ یہ علمی کرید لوگوں کو اس حقیقت سے آشنا کرسکتی ہے کہ اس کتاب کا مخاطب انسان ہے اس کتاب کا انسان اور انسانیت سے گہرا رشتہ ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی قرآن کا بغور مطالعہ کرے اور اس کی افادیت سے محروم رہ جائے۔ آیت اللہ مطہری کا یہ مقالہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ادارہ

قرآن کی تجزیاتی شناخت کے سلسلے میں منجملہ دیگر نکات کے اس بات کا بھی استنباط کیا جانا چاہئے کہ اس کے مخاطب کون لوگ ہیں اس بات کی تحقیق وتشخیص کے بغیر قرآنی مفاہیم تک رسائی حاصل کرنا دشوار ہے، مثلاً هدًی لّلمتّقین[۱] (یہ قرآن) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے ، هدًی وّبُشریٰ للمؤمنین[۲] مومنین کے لئے (یہ قرآن) ہدایت وبشارت ہے۔ لینذر من کان حیاً[۳] (یہ قرآن) زندوں کے ڈرانے کیلئے ہے اور اسی طرح کی بہت سی تعبیرات قرآن نے کی ہیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت کوئی ضروری چیز نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تو خود ہی پرہیزگار ہیں۔ دوسری طرف قرآن اپنا تعارف اس طرح کراتا ہے ۔ ان

هوالاّ ذكرٌ لّلعالمين ، ولتعلمنّ نباۂ بعد حين ۴

یہ قرآن ساری دنیا کے لئے مایہ بیداری ہے اور اس کی خبر تم بعد کو سنو گے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب تمام دنیا کے لئے ہے یا صرف مومنین کے لئے ؟ ایک اور آیت میں قرآن رسولؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ومآارسلنٰک الاّرحمة لّلعالمين۵ اے رسولؐ ہم نے تمہیں سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس بات کی تفصیلی وضاحت قرآن میں مبحث تاریخ کے ذیل میں پیش کی جائے گی سردست وہاں بیان کی جائے گی جہاں قرآن میں مبحث تاریخ کا ذکر کیا جائے گا اجمالاً عرض ہے کہ جن آیتوں میں قرآن نے دنیا کے تمام لوگوں کو مخاطب کیا ہے، وہاں قرآن کا مقصد ہے کہ قرآن کسی قوم یا مخصوص جماعت کے لئے نہیں بلکہ پوری کائنات کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انجام کار وہ کون لوگ ہوں گے جو قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے اقور اس سے ہدایت حاصل کریں گے اور وہ کون لوگ ہوں گے جو قرآن سے دوری اختیار کریں گے قرآن کسی خاص یا معین قبیلہ کو اپنے عقیدت مند وارادت مند کے عنوان سے ذکر نہیں کرتا۔ قرآن نے یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ وہ اس قوم یا اس قوم کی ملکیت ہے دوسرے مکاتب فکر کی طرح قرآن کسی مخصوص طبقہ کے منافع کے لئے نہیں ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں صرف فلاں طبقہ کی ضمانت کرتا ہوں مثلاً قرآن یہ نہیں کہتا ہم صرف مزدوری اور کاریگروں کی حمایت کرنے آئے ہیں یا ہم تو صرف کسانوں کی پشت پناہی کے لئے ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن اپنی جگہ بطور تاکید کہتا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا مقصد عدل وانصاف کی تبلیغ و انبیاء کے بارے میں اعلان کرتا ہے: وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم النّاس بالقسط۶ ہم نے انبیاء کے ساتھ کتاب اور ترازوں انصاف اتاری تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں!

قرآن تمام انسانی معاشرے کے لئے عدل وانصاف چاہتا ہے نہ کہ صرف اس طبقہ یا کسی مخصوص طبقہ، قبیلہ اور قوم وجماعت کے لئے انصاف کا متقاضی ہے۔ نازی ازم کے برخلاف قرآن اپنی طرف تعصب کی بنیاد پر دعوت نہیں دیتا اور نہ ہی مارکسزم کی طرح منفعت طلبی اور نفع پرستی پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ لوگوں کو دنیوی منفعت کی لالچ دے کر اپنی فطرت کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ۷

قرآن جس طرح انسان کے وجدان عقلی کی اصالت کا قائل ہے اسی طرح اس کے لئے

ایک فطری ووجدانی اصالت کا بھی قائل ہے اور اسی حق جوئی وعدالت طلبی کی بنیاد پر انسان کو ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے۔ اسی لئے اسلام کا پیغام نہ فقط مزدوروں کے لئے منحصر ہے اور نہ کسانوں کے لئے۔قرآن ظالم ومظلوم دونوں کو مخاطب کرتا ہے کہ حق کا راستہ اپناؤ۔

قرآن نے جس طرح حضرت موسیٰ کا قصہ نقل کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور فرعون دونوں کو خدا کا پیغام دیتے تھے اور دونوں سے چاہتے تھے کہ خدا پر ایمان لائیں اور اس کی راہ پر گامزن رہیں۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیؐ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ آپؐ نے اپنی رسالت ودعوت کو جس طرح سرداران قریش کے لئے پیش کیا اسی طرح ابو ذر کے لئے بھی پیش فرمایا ۔قرآن نے متعدد ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن میں انسان گمراہی کو چھوڑ کر راہ حق پر آ گیا ہے۔ ہاں قرآن نے اسے نکتے کی طرف بھی لوگوں کو متوجہ کیا ہے کہ عیش ونعمت کے گہواروں میں پلنے والوں کا حق کی طرف پلٹنا بہ نسبت غریبوں او رمظلوموں کے بدر جہا مشکل ہے۔ مظلوموں اور غریبوں کا طبقہ اپنی فطرت کے تقاضہ کی بنا پر عدالت وانصاف کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن ثروتمندوں اور مالداروں کے طبقے کو چونکہ شخصی منافع اور گروہی منافع کو چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے وہ بڑی مشکل سے حق عدالت کو قبول کرتا ہے۔

قرآن اعلان کرتا ہے کہ ہمارے ماننے والے وہی لوگ ہیں جن کی روح پاکیزہ ہے اور یہ لوگ صرف حقیقت جوئی اور عدالت طلبی کی بناء پر، جو ہر انسان کا فطری حق ہے ، قرآن کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ دنیاوی جذبے ، مادی خواہشات ، طلب منفعت کی خاطر ایسا نہیں کرتے ۔

عقل کے بارے میں قرآنی نظریہ:

اس سے پہلے کہ ہم قرآن کی زبان کے بارے میں تحریر کر چکے ہیں اور مختصر عرض کر چکے ہیں کہ قرآن اپنا پیغام پہنچانے کے لئے دو زبانیں استعمال کرتا ہے ، ایک منطقی استدلال اور ایک احساس کی زبان اور دونوں زبانوں کے مخصوص مخاطب ہیں۔ منطقی استدلال کی مخاطب عقل ہے اور احساس کا مخاطب دل ہے۔ اس بحث میں عقل کے بارے میں قرآنی نظریے کی تحقیق کریں گے۔

پہلے تو ہم یہ طے کرلیں کہ قرآن کی نظر میں عقل مند ہے بھی کہ نہیں ؟ یعنی علمائے فقہ و اصول کی زبان میں عقل حجت ہے کہ نہیں ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقل کی واقعاً کوئی صحیح دریافت کی زبان میں عقل حجت ہے کہ نہیں ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقل کی واقعاً کوئی صحیح

دریافت ہے تو کیا انسان کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے یا نہیں ؟ اور اگر عمل کیا اور اتفاقاً کسی جگہ پر غلطی ہوگئی تو خدا اس کو معاف کردے گا اور معذور سمجھے گا یا اس پر عتاب (عذاب) کرے گا ؟ اور اگر اس کے مطابق عمل نہ کرے تو کیا خدا حکم عقل کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس کو سزا دے گا یا نہیں؟

عقل کی حجیت:

اسلامی نظریے کے مطابق عقل کی حجیت کا مسئلہ اپنی جگہ پر ثابت ومسلم ہے اور علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی....سوائے چند لوگوں کے.....عقل کی حجیت میں شک نہیں کیا اور فقہ کے چاروں ماخذوں ....قرآن ، حدیث ،عقل ، اجماع....میں سے عقل کو ایک ماخذ تسلیم کیا ہے۔

قرآن غور وفکر کی دعوت دیتا ہے:

چونکہ ہم قرآن کے بارے میں بحث کررہے ہیں اس لئے عقل کی حجیت بھی قرآن ہی سے ثابت کرنا ضروری ہے۔ درحقیقت قرآن نے مختلف طریقوں سے عقل کی حجیت کو تسلیم کیا ہے ساٹھ ، ستر مقامات پر جہاں پر عقل کی حجیت کا اشارہ ملتا ہے ان میں سے صرف ایک مورد سے ہی اثبات مطلب کیا جاسکتا ہے۔ بطور مثال اس آیت کو ہی دیکھئے ہے۔ ان شرالدّوآب عند اللّٰہ الصمّ البکم الّذین لایعقلون۸ زمین پر چلنے والوں۹ میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے اور بے عقل ہیں !

ظاہر ہے کہ یہاں گونگے بہرے سے مراد زبان کے گونگے اور کان کے بہرے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حقیقت کو سننا نہیں چاہتے یا سنتے ہیں تو زبان سے اعتراف نہیں کرتے، جو کان حقائق کو سننے سے عاجز ہوں اور صرف خرافات ومہمل چیزوں کو سننے پر آمادہ ہوں وہ قرآن کی نظر میں بہرے ہیں اسی طرح جو زبان حقائق کا اعتراف نہ کرے صرف بکواس ہی بکواس کرتی ہو وہ قرآن کی نظر میں گونگی ہے، اسی طرح بے عقل وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایسے لوگ جن کا نام انسانوں میں شمار کرنے کے لائق نہیں ہے قرآن نے ان کو حیوانات اور چارپایوں سے تشبیہ دی ہے۔۱۰

اسی طرح توحید افعالی اور توحید فاعلی کی جگہ پر ایک مسئلہ توحید کے ضمن میں ارشاد ہے

وماكان لنفسٍ ان تؤمن الاّ باذن الله ۱۱ کسی شخص کو اذن خدا کے بغیر ایمان لانے کا حق نہیں ہے ! ایسے مشکل مسئلہ کے بعد جس کا نہ ہر ذہن تحمل کرسکتا ہے اور نہ ادراک اور واقعاً انسان کو جھنجوڑ دینے والا مسئلہ ہے۔ قرآن اس آیت کے بعد کہتا ہے : ويجعل الرجس على الّذين لايعقلون ۔۱۲

ان دونوں سورۂ انفال ویونس کی دونوں آیتوں کا میں نے بطور نمونہ ذکر کیا ہے منطقی اصطلاح میں قرآن لوگوں کو تطبیقی دلالت کے ساتھ تعقل کی دعوت دیتا ہے ۔ قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں بھی ہیں جو التزامی دلالت کے ساتھ عقل کی حجیت کو ثابت کرتی ہیں۔ ۱۳

دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھئے کہ قرآن ایسی بات کہتا ہے کہ حجیت عقل کو تسلیم کئے بغیر وہ بات مانی ہی نہیں جاسکتی ، مثلاً قرآن اپنے مخالف سے عقلی استدلال مانگتا ہے : قل هاتوا برهانكم ۱۴ یہاں پر دلیل التزامی کے ذریعے قرآن عقل کی حجیت کو بیان کر رہا ہے (کیونکہ اگر عقل کی حجیت نہ مانتا تو دلیل نہ طلب کرتا) یا ایک جگہ وحدت واجب الجوب کو ثابت کرنے کے لئے قیاس منطقی ترتیب دیتا ہے ، جیسے :لوكان فيهمآ الهة الا الله لفسدتا ۱۵ اگر زمین وآسمان میں ایک خدا کے علاوہ کئی خدا ہوتے تو زمین وآسمان فاسد ہوجاتے۔

اس جگہ قرآن ایک قضیہ شرطیہ بیان کرتا ہے۔ مستثنیٰ کیا ہے اور تالی کو نادید ،طور سے مان لیا ہے۔ قرآن عقل کی ان تمام تاکید کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ بعض ان مذاہب کو باطل قرار دے جن کا نظریہ ہے کہ ایمان کا عقل سے کوئی لگاؤ نہیں ہے ، مومن ہونے کے لئے فکر کو معطل کرنا اور صرف دل پر بھروسہ کرنا چاہئے تاکہ نور خدا دل میں پیدا ہوجائے ۔

نظام علیت ومعلولیت:

دوسری وہ دلیل جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن عقل کی اصالت کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ مسائل کو علت ومعلول کے ارتباط کی بنا پر بیان کرتا ہے در اصل علیت ہی عقلاء کے افکار کی بنیاد ہے اور خود قرآن اس کا احترام کرتا ہے اور اس کو استعمال بھی کرتا ہے ۔ حالانکہ قرآن خدا کی باتوں کا ناقل ہے جو نظام علت ومعلول کا خالق ہے اور ان تمام باتوں کے باوجود اس بات سے کبھی غفلت نہیں برتتا۔ نظام سبب ومسبب کا تذکرہ کرتا ہے اور تمام واقعات وحالات کو اسی نظام سبب ومسبب کا

نتیجہ قرار دیتا ہے، مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ان اللّٰہ لایغیر مابقومٍ حتی یغیروا ما بانفسھم ۱۶؎ خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

اس آیت میں قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں خدا کے ارادہ واختیار کے تابع ہیں، لیکن خدا ان کے اعمال کے برخلاف اس پر کوئی چیز زبردستی نہیں تھوپنا چاہتا بلکہ تقدیر اورقسمت کا بھی ایک نظام ہے۔ خدا کسی بھی معاشرے کی قسمت خود بخود اور بے وجہ کبھی نہیں بدلتا۔ البتہ اگر وہ لوگ ایسی چیزوں میں جوان سے مربوط ہیں جیسے اخلاقیات، اجتماعیات وغیرہ اگر خود اس میں تغیر چاہتے ہیں تو خدا بھی تغیر کردیتا ہے۔

دوسری طرف قرآن مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ گذشتہ لوگوں کے حالات کو مطالعہ کریں اور ان سے درس عبرت حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر اقوام عالم کی سرگذشت محض اتفاق پر مبنی ہوئی اور ان کو اس پر مجبور کیا گیا ہوتا تو ان کے حالات کا مطالعہ اور ان سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب ہی بے کار بات تھی۔ قرآن اس تاکید سے یہ یاد دلانا چاہتا ہے کہ تمام اقوام کی سرنوشت پر ایک ہی نظام حاکم ہے باین عنوان کہ اگر ایک معاشرے کے حالات دوسرے معاشرے کے حالات کے مشابہ ہوں گے تو دونوں کے حالت ایک ہی جیسے ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: فکأین من قریة اھلکناھا وھی ظالمة فھی خاویة علی عروشھا وبئرمّعطّلة وقصرمّشید ـ افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قُلوب یعقلون بھا او اذان یّسمعون بھا ۱۷؎ کتنے ایسے شہر و دیار ہیں کہ جن کے رہنے والے جب ظلم وستم میں مشغول تھے ہم نے ان کو ہلاک کردیااور تمام شہر بالکل ویران ہوگئے ہیں، سارے کنوئیں، مضبوط قصر سب کے سب معطل و بے کار ہوگئے کیوں اس زمانے کے لوگ زمین میں گردش نہیں کرتے اور اقوام وملل کے حالات کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے اور کیوں ان سے درس عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ان تمام مطالب میں نظاموں کے قبول کرنے میں دلالت التزامی کی بناپر نظام علیت ومعلولیت کی تائید ہوتی ہے اور علیت ومعلولیت کے رابطہ کو قبول کرنے کا مطلب عقل کی حجیت کو تسلیم کرنا ہے۔

فلسفۂ احکام:

قرآن کی نظر میں عقل کی حجیت مسلم ہے اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن نے اپنے تمام

احکام وقوانین کا فلسفہ بھی بتادیا ہے، یعنی اگر خدا نے یہ حکم دیا ہے تو اس کی علت یہ ہے کہ علمائے اصول کہتے ہیں کہ احکام کی علت میں مصالح ومفاسد دخیل ہیں مثلاً قرآن ایک جگہ حکم دیتا ہے نماز پڑھو اور دوسری جگہ اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے کہ: ان الصلوٰة تنھی عن الفحشاء والمنکر ۱۸ نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے۔ یہ نماز کا فلسفہ ہے، یہاں نماز کی روحانیت کا ذکر کتا ہے کہ انسان کو کتنا بلند کرتی ہے اور اس روحانی بلندی کی وجہ سے انسان فحشاء ومنکرات سے بچ جاتا ہے اسی طرح روزہ کا حکم دیکراس کی بھی علت وفلسفہ بیان کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا: کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۱۹ تم لوگوں پر روزہ اسی طرح واجب قرار دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر (اور یہ صرف اس لئے واجب کیا گیا ہے) تاکہ تم لوگ متقی وپرہیزگار بن جاؤ۔

یہی حالت تمام احکام کے لئے ہے جیسے زکوٰۃ، جہاد وغیرہ کہ سب کے بارے میں انفرادی واجتماعی اعتبار سے وضاحت کرتا ہے اس طرح قرآن تمام آسمانی احکام کو جن کے نتائج اس دنیا کے بعد ظاہر ہوں گے بیان کرتا ہے اور انسان کو آمادہ کرتا ہے کہ اس کے بارے میں غور کرے۔ تاکہ حقیقت اس پر واضح ہوجائے اور یہ نہ تصور کرے کہ یہ چیزیں صرف فکر بشر کے ماورائی کی چیزیں ہیں۔

عقل کی غلطیوں کا علاج

قرآن کے نزدیک عقل کی حجیت کی ایک دلیل ہے جو دیگر سابق دلیلوں سے واضح تر ہے۔ قرآن عقل کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے اگر عقل کی حجیت نہ مانتا تو اس کی غلطیوں کی اصلاح کی کوشش نہ کرتا۔ اس مطلب کی وضاحت کے لئے بطور مقدمہ چند امور کا بیان کرنا ضروری ہے۔انسانی ذہن وفکر بہت سی جگہوں پر غلطی کرجاتا ہے اور یہ بات تقریباً سبھی کے نزدیک مسلم ہے۔ اس قسم کی غلطیاں صرف عقل ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ حواس واحساسات بھی غلطیوں سے دوچار ہوتے ہیں مثلاً قوۃ باصرہ کے لئے دسیوں غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اسی طرح عقل کا مسئلہ ہے۔ اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک استدلال مرتب کرتا ہے اور اسی کی بنیاد پر نتیجہ حاصل کرتا ہے لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ میرا استدلال ابتداء سے غلط تھا۔ اس لئے یہاں پر فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عقل سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں تو پھر قوت فکر کو معطل کردینا

چاہئے یا ایسے اسباب ووسائل تلاش کرنے چاہئیں جن سے پیداہونے والی غلطیوں کو تدارک کیا جاسکے۔؟ سوفسطائی حضرات کا خیال ہے کہ عقل پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ بنیادی طور پر عقل سے استدلال کرنا ہی لغو وبے کارسی بات ہے۔

لیکن اہل فلاسفہ نے ان لوگوں کو دندان شکن جوابات دئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عقل کی طرح دیگر حواس بھی اشتباہ کرتے ہیں لیکن کسی بھی حواس کو معطل وبیکار کردینے کا حکم نہیں دیا ہے، چونکہ عقل کو معطل کردینا ناممکن سی بات ہے اس لئے مفکرین نے یہ طے کیا کہ اس کا تدارک کیا جائے اور اس کی تحقیق کرتے کرتے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہراستدلال دوچیزوں سے مرکب ہوتا ہے ایک مادہ دوسرے صورت جیسے ایک مکان بنانے کے لئے اینٹ، گچ، لوہا وغیرہ کا ہونا ضروری ہے جس کو مادہ کہتے ہیں اسی طرح مکان کا ایک نقشہ بھی ہوتا ہے جس کو صورت کہتے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ مکان ہر اعتبار سے کامل ہوتو اس کے لئے کی تعمیر میں استعمال کئے جانے والے سامان مثلاً لوہا، اینٹ وغیرہ کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نقشہ کا بھی بے عیب وصحیح ہونا ضروری ہے۔

بالکل اسی طرح اگر آپ استدلال کو صحیح کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مادہ اورصورت دونوں کو درست ہونا چاہئے۔ جہاں تک استدلال کی صورت کی صحت کا سوال ہے اس کے لئے ارسطو کی منطق موجود ہے۔ منطق کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ وہ استدلال کی صورت وعدم صحت کو بتادے اور ذہن انسانی کی اتنی مدد کردے کہ وہ استدلال کی صورت میں غلطی نہ کرے۔ [۲۰]

اصل چیز یہ ہے کہ منطق صرف صورت استدلال کی صحت کی ذمہ دار ہے لیکن ہمارے لئے ضروری ہے مادۂ استدلا ل بھی صحیح ہویعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کے ذریعے مواد فکری کو بھی تولا جاسکے۔ بیکن اور ڈیکارٹ جیسے فلاسفہ نے بڑی تلاش وکوشش کے بعد مادۂ استدلال کے صحت کے لئے معیار قائم کیا ہے۔ ارسطو کی منطق استدلال کی صورت میں صحیح کرتی ہے اور ان لوگوں نے جو معیار بنائے ہیں وہ اگرچہ منطق کی طرح قواعد کلیہ تو نہیں ہیں لیکن بڑی حدتک وہ انسان کی مدد کرتے ہیں اور مادۂ استدلال میں غلطی سے بچاتے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ جان کر یقیناً تعجب ہوگا کہ استدلال کے مادہ میں غلطی سے بچانے کے لئے قرآن نے بہت سے قاعدے پیش کئے ہیں اورقرآن کو تمام محققین جیسے ڈیکارٹ وغیرہ پر تقدم فضل اورفضل تقدم حاصل ہے۔

قرآن کی نظر میں غلطیوں کے اسباب

قرآن کی نظر میں غلطیوں کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ انسان گمان کو یقین کا درجہ دے بیٹھتا ہے۲۱ اگر کوئی یہ طے کرلے کہ میں مسائل میں صرف یقین پرعمل کروں گا گمان کو ہر گز یقین کی جگہ نہ دوں گا تو کبھی غلطی میں نہیں پڑے گا۲۲ قرآن نے اس بات کی بہت ہی تاکید کی ہے یہاں تک کہ ایک جگہ پر بطور صراحت کہتا ہے کہ فکر بشر کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ وہ گمان کی پیروی کرتا ہے یا ایک دوسری جگہ پر رسول کو مخاطب کرکے کہتا ہے: ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله ان یتبعون الا الظن وان هم الایخرصون☆ ۲۳ زمین میں زیادہ تر لوگ گمان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اے رسولؐ اگرتم نے ان کی پیروی کی تو تم بھی گمراہ ہوجاؤ گے کیونکہ لوگ کی پیروی کرتے ہیں اور اندازے کی بات کرتے ہیں یہی وجہ ان کے غلطی کرنے کی ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ولا تقف مالیس لک به علم ۲۴ جس بات کا علم نہ ہو اے رسولؐ اس کی پیروی نہ کرو۔ یہ وہ یاددہانی ہے کہ انسان کی پوری تاریخ میں قرآن نے یاددلایا ہے اور انسان کو اس طرح غلطی سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

مادۂ استدلال میں دوسرا غلطی کا سبب خصوصاً اجتماعی مسائل میں اندھی تقلید ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ معاشرے میں جو چیز یقین کا درجہ حاصل کرلیتی ہے وہ بھی اس پر یقین کرلیتے ہیں یعنی جو چیز معاشرے میں مورد قبول ہو یا گذشتہ سے وہ بات چلی آرہی ہو تو لوگ صرف اس بنا پر اس کو قبول کرلیتے ہیں کہ یہ تو بزرگوں سے چلی آرہی ہے۔۲۵

قرآن اعلان کرتا ہے کہ ہر مسئلہ کو عقل کے ترازو پر تولو تمہارے بزرگوں نے جو کچھ بھی کیا اسی کو سند نہ مان لو بلکہ اس کا بالکل انکار کردو۔ بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جو پہلے بھی رائج تھے اور غلط تھے لیکن لوگوں نے اس کو قبول کرلیا تھا اور بہت سے ایسے صحیح مسائل بھی ہیں کہ جو دور قدیم میں پیش کئے گئے تھے، لیکن لوگوں نے اپنی نادانی کی بناء پر اس کو قبول نہیں کیا اسی لئے قرآنی نظریہ ہے کہ مسائل کو عقل وفکر کے ترازو پر قبول کرو، اندھی تقلید نہ کرو، قرآن نے ذکر کیا ہے کہ لوگ عقل وفکر پر پرکھنے کے بجائے اپنے آباء اجداد کی تقلید پر باقی رہتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: واذاقیل

لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آبائنا اولو كان آباؤهم لايعقلون شيئا ولا يهتدون ۲۶؎ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے احکام کی پیروی کروتو یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کی روش کو چھوڑ دیں؟ بھلا بتاؤ اگر تمہارے بزرگ بےشعور تھے تو ان کی بے شعوری کا بھگتنا تم کیوں بھگتو؟!

قرآن اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ایک فکر کی قدامت نہ اس کے غلط ہونے یا کہنہ ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہی صحیح ہونے کی ذمہ دار ہے جہاں تک کہنگی کا مسئلہ ہے وہ صرف مادی امور تک محدود ہے لیکن حقائق ہستی پر چاہے جتنا زمانہ گذر جائے وہ کہنہ وفرسودہ نہیں ہوا کرتے۔مثلاً: ان الله لايغير مابقوم حتى يغيروا مابانفسهم ۲۷؎ یہ ایک حقیقت ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہنے والی ہے۔قرآن کہتا ہے عقل وفکر کے اسلحہ سے مسائل کا مقابلہ کرو۔کسی صحیح عقیدہ کو اس لئے ترک نہ کرو کہ دوسرے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ اسی طرح کسی عقیدہ کو صرف اس لئے تسلیم نہ کرو کہ کسی بزرگ و معروف شخص نے اس عقیدہ کو قبول کیا ہے، بلکہ ہر مسئلہ کو خود تحقیق وجستجو کے بعد قبول کرو۔۲۸؎

تیسری چیز جس کی وجہ سے آدمی غلطی کرتا ہے وہ خواہشات نفس کی پیروی کسی غرض ومرض کی بناپر کوئی اقدام کرنا ہے اس سے بھی آدمی غلطی کا شکار ہوجاتا ہے قرآن نے اس بات کی بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ بقول مولوی۔

چون غرض آمد ہنر پوشیدہ شد　　صد حجاب از دل بسوی دیدہ شد

کوئی بھی مسئلہ ہو جب تک انسان اپنے کو شر اغراض سے الگ نہ کرلے گا اس وقت تک صحیح فکر نہیں کر سکے گا۔یعنی عقل اسی وقت صحیح کام کرسکتی ہے جب خواہشات نفس کی اسیر نہ ہو۔علامہ حلیؒ کا ایک واقعہ ہے جو اس کی صحیح ترجمانی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ حلیؒ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا کہ اگر کنویں میں کوئی جانور مرجائے اور ایسے اسباب پیدا ہوجائیں جس کی بناپر اس کا مردہ جسم کنویں ہی میں رہ جائے تو کنویں کے پانی کا کیا جائے؟ اتفاق سے اسی وقت علامہ حلیؒ کے گھر میں جو کنواں تھا اس میں ایک جانور گرگیا اب علامہ کے لئے مجبوری تھی کہ اپنے لئے بھی استنباط حکم کریں۔ اب یہاں پر دوہی صورتیں ممکن تھیں۔یا تو کنویں کو بالکل پاٹ دیا جائے اور دوسرے کنویں سے پانی نکالا جائے اور یا اسی کنویں سے کچھ مقدار پانی کی نکال دی جائے اور باقی پانی کو استعمال کیا جائے۔علامہ حلیؒ نے سوچا اس مسئلہ میں بدون غرض حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ علامہؒ کے کنویں کا بھی مسئلہ تھا س لئے انہوں نے حکم

دیا کہ کنویں کو پاٹ دیا جائے اور پھر اس کے بعد خود بغیر خواہش نفسانی کے استنباط حکم کے لئے بیٹھے۔ قرآن نے خود بھی خواہشات نفس کی پیروی سے بہت زیادہ مقامات پر روکا ہے۔ ہم یہاں پر صرف ایک مقام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے: ان یتبعون الا الظن وماتھوی الانفس ۲۹؎ وہ لوگ گمان باطل اور خواہشات نفس کے علاوہ کسی اور چیز کی پیروی نہیں کرتے۔

دل کے بارے میں قرآنی نظریہ:

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ عرفانی اور ادبی اصطلاح میں دل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے جو بدن کے بائیں طرف ہوتا ہے اور جو ایک ہینڈ پائپ کی طرح خون کو رگوں میں پھینکتا رہتا ہے مثلاً قرآن نے ایک جگہ کہا ہے : انَّ فی ذلک لذکریٰ کان لہ قلب ۳۰؎ یا جیسا کہ حافظ نے کہا ہے:

دلم　رمیدہ　شد　وغافلم　من　درویش
کہ　این　شکاری　سرگشتہ　راہ　چہ　آمدپیش

اس میں دل یا قلب سے ایک ممتاز وبلند حقیقت مراد ہے جو سینے میں بائیں طرف دھڑکنے والے گوشت کے لوتھڑے سے بالکل الگ ہے اسی طرح جہاں پر قرآن دل کی بیماریوں کا ذکر کرتا ہے :فِی قُلوبِھِم مَرَضٌ فَزادھُم اللّٰہ مَرَضا ۳۱؎ ان کے دل مریض ہیں خدا ان کے مرض کو اور زیادہ کرے۔ اس سے وہ دل مراد نہیں ہے کہ جس کا علاج ڈاکٹر کرتا ہے اور اگو کوئی ڈاکٹر اس قسم کی بیماریوں کا علاج کرسکتا ہے تو وہ روحانی امراض کا ماہر ہوگا۔

دل کی تعریف:

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل سے آخر کیا مراد ہے؟ اس سوال کے جواب کو وجود انسان کی حقیقت میں تلاش کرنا چاہئے ۔ انسان ایک ہونے کے باوجود سینکڑوں اور ہزاروں پہلوؤں کا حامل ہے لفظ ''میں'' ہزاروں امیدوں ،فکروں ،آرزوؤں ،عشقوں اور ہزاروں خوف، ڈر...کا مجموعہ ہے اور یہ سب ہزاروں اور نالیوں کی طرح ایک مرکز میں مل جاتے ہیں اور یہ مرکز اتنا گہرا اور عمیق سمندر ہے جس کی گہرائی تک پہنچنے کا ابھی تک کسی نے دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اہل فلسفہ عرفاء ، علماء ، روحانی حضرات نے اپنے اپنے امکان بھر اس کی گہرائی سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر ایک نے صرف محدود حد

تک اس کے راز ہائے سربستہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ ہاں عرفاء شاید دوسروں سے زیادہ اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ قرآن جس چیز کو ''دل'' کہتا ہے وہ خود اس سمندر کی واقفیت سے جس کو یہ روح ظاہر کہتے ہیں وہ سب ایک ایسے نالے ہیں جو اس سمندر سے جا ملتے ہیں انتہا یہ ہے کہ خود عقل بھی ایک ایسی نہر ہے جس کا سلسلہ اسی سمندر سے جا ملتا ہے۔

قرآن جب وحی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو عقل کا دور دور بھی کہیں ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا تمام تر دار ومدار قلب پیغمبرؐ پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نہ تو عقل کی طاقت اور نہ عقلاء کے استدلال سے پیغمبر کو حاصل ہوا ہے بلکہ یہ صرف قلب رسولؐ تھا جو ایک ایسی حالت میں (جو حالت ہمارے لئے قابل تصور نہیں ہے) پہنچ گیا جہاں پر ان بلند وبرتر حقائق کے ادراک وشہود کی استعداد اس میں پیدا ہوگئی۔ سورہ نجم اور سورہ تکویر کی آیتیں اس ارتباط کی کیفیت کو ایک حد تک بیان کرتی ہیں۔ ۳۲؎

قرآن جہاں پر وحی کے بارے میں باتیں کرتا ہے اور جہاں پر قلب سے گفتگو کرتا ہے وہاں اس کا بیان طائر عقل وفکر کی پرواز سے بھی اونچا ہوتا ہے لیکن عقل وفکر کے مخالف بھی نہیں ہوتا اس جگہ پر قرآن ایک ایسی بینش کو بیان کرتا ہے جو عقل ہے جو عقل واحساس سے بالاتر ہے اور عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے، عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔

قلب کی خصوصیات :

قرآن کی نظر میں یہ'' قلب پہچان کا ایک آلہ بھی ہے۔ بنیادی طور سے قرآن کے پیغام کا بہترین مخاطب انسان کا دل ہے۔ ایسا پیغام جسے صرف دل کے کان ہی سن سکتے ہیں کوئی دوسرا کان اس کے سننے پر قادر نہیں ہے، اسی لئے قرآن اس آلہ کی حفاظت ونگہداری اور تکامل میں بہت تاکید کرتا ہے قرآن کے اندر تزکیۂ نفس ، روشنی دل،صفائے قلب کے مسائل جابجا بکھرے پڑے ہیں ملاحظہ فرمایئے: قد افلح من زكها۔ ۳۳؎ جس نے اپنے دل کو آلودگیوں سے محفوظ رکھا وہ نجات پا گیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:كلا بل ران على قلوبهم ماكانو يكسبون ۳۴؎ نہیں نہیں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو اعمال (بد) کرتے ہیں (اس کی وجہ سے) ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ روشنی قلب کے لئے ارشاد ہے:ان تتقوا الله يجعل لكم فرقاناً ۳۵؎ اگر تم نے تقویٰ وپاکیزگی کے

راستہ کو اختیار کیا تو خدا تمہارے دلوں کو روشن کردیگا ایک اور جگہ ہے: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا ۳۶ جو لوگ ہماری راہ میں خلوص سے کوشش کریں گے ہم اپنے راستہ کی طرف ان کی ہدایت کریں گے۔

چونکہ کارہائے ناشائستہ کی روح کو تاریک وگندا کردیتے ہیں اور کشش وپاکیزگی کو اس سے سلب کرلیتے ہیں اس لئے قرآن نے متعدد جگہوں پر اس کا ذکر کیا ہے ۔ مومنین کی زبان سے کہلوایا جارہا ہے: ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا ۳۷ خداوند ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد کج نہ ہونے دے۔ بدکاروں کی صفت بیان کرتا ہے: کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون ۳۸ نہیں نہیں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو اعمال (بد) کرتے ہیں (اس کی وجہ) ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ دوسری جگہ اس طرح ہے: فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم ۳۹ جب ان لوگوں نے حق سے اپنا چہرہ موڑلیا تو خدا نے بھی ان کے دلوں کو حق کی طرف متوجہ ہونے سے موڑ دیا۔اور کہیں پر اس طرح تعبیر کی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہے، ان کے دلوں پر قفل لگا ہوا ہے، ان کے دل سخت ہوگئے ہیں: ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ۴۰ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ ۴۱ ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ نہ سمجھ سکیں، ایک اور جگہ پر ارشاد ہے: کذالک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین ۴۲ اسی طرح خدا کافروں کے دلوں پر مہر کردے گا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون ۴۳ ان کے دل سخت ہوگئے ہیں اور انہی میں سے اکثر فاسق وبدکار ہیں۔

ان تمام تاکیدوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن انسان کے لئے ایک بلند معنوی اور روحانی فضا چاہتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر ہر فرد اس فضا کو سالم رکھے اور چونکہ ایک اجتماعی ناسازگار اور بغیر صحیح فضائیں پاک وصاف رہنا عموماً ممکن نہیں ہوتا اس لئے قرآن اس بات پر بہت زور دیتا ہے کہ ہر شخص کو ایک ایسے اجتماعی ماحول کے لئے اپنی ساری کوششیں صرف کردینی چاہئیں جس میں تزکیہ نفس ہوسکے۔

قرآن صریحی طور پر اس بات کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمام عشق وایمان بلند قدریں نصائح وغیرہ سب کا مقصد یہی ہے کہ انسان اور انسانی معاشرہ رذالتوں، پستیوں، خواہشات نفس کی

پیروی ،شہوت رانی سے دور ہی دور رہے۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی حکام وقت پورے معاشرے کو اپنے کنٹرول میں کرنا چاہتے ہیں اور اس سے غلط استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی چیز تلاش کریں جس سے روح معاشرہ کثیف ہوسکے اور اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں میں بدکاریوں کو رواج دیتے ہیں اور لوگوں کوشہوت رانی کی طرف راغب کر دیتے ہیں اس کا سب سے زیادہ تکلیف دہ نمونہ اسپین کے مسلمانوں میں ملتا ہے کہ...اسپین اس زمانے میں مغربی دنیا کے اندر سب سے زیادہ متمدن شمار ہوتا تا تھا اور انقلاب صنعتی کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے اور بڑی اہمیت کا حامل تھا۔عیسائیوں نے اسپین کومسلمانوں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے نوجوانوں کے اخلاق وروحانیت کو فاسد کرنے کی کوشش شروع کردی اور رفتہ رفتہ لہوولعب ،شہوت پرستی مسلمانوں میں رائج کرنے لگے اور وہ لوگ اپنے اس پلان میں اتنا کامیاب ہوئے کہ سرداران فوج ، سربراہان مملکت کو بھی اس جال میں پھنسا لیا اور اس طرح مسلمانوں کے ارادے عزائم شجاعت ، ایمان اور پاکیزگی کی روح کا جنازہ نکال دیا اور مسلمان بد سے بدتر ،کمزور عیاش ،شرابخور،عورت پرست ہوتے چلے گئے۔اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کومغلوب کرلینا بہت آسان ہے اور پھر عیسائیوں نے مسلمانوں کی تین سو سال سے لے کر چار سو سال تک کی حکومت سے ایسا انتقام لیا کہ تاریخ ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے شرماتی ہے۔جن عیسائیوں کوحضرت عیسیٰ نے یہ تعلیم دی تھی کہ اگر تمہارے ایک رخسار پر کوئی ایک طمانچہ ماردے تو دوسرا رخسار خود پیش کردو، انہوں نے اندلس ----اسپین----کے بے گناہ مسلمانوں کے خون کا دریابہا دیا اور چنگیز کے چہرے کو سفید کردیا۔لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ذلت آمیز شکست خود ان کی پست ہمتی، فساد روحی اور قرآنی دستور پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تھی۔

ہمارے زمانے میں بھی استعمار نے جہاں جہاں قدم جمائے ہیں اسی حربے کا استعمال کیا ہے جس سے قرآن نے مسلمانوں کو بہت پہلے ہوشیار کردیا تھا۔ استعمار کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دلوں کو فاسد کردے اور جب دل فاسد ہوجاتے ہیں تو عقل کسی کام کی نہیں رہتی بلکہ انسان کے ہاتھ پیر کے لئے زنجیر بن جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ استعمار مدارس کے کھولنے ، یونیورسٹیوں کے قائم کرنے کی ممانعت نہیں کرتا بلکہ خود بھی مدارس کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے اور تعاون کرتا ہے لیکن دوسرے راستے سے اپنی پوری طاقت اس بات پر لگاتا ہے کہ اساتذہ وطلاب کے قلوب وارواح فاسد

ہوجائیں یہ لوگ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ بیماریوں کا دل اور اس کی روح کسی کام کے قابل نہیں رہ جاتے بلکہ ان کو ہر ذلت وپستی کی طرف کھینچا جاسکتا ہے۔

لیکن قرآن کا پورا زور معاشرے کی روح کو پاکیزہ بنانے پر ہے ارشاد ہوتا ہے :تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۴۴ نیک اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ وبرائی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو یعنی نیک کام فرداً فرداً نہیں بلکہ سب لوگ مل جل کرانجام دو۔

دل کے سلسلے میں دو تین نکتے پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کے واسطہ سے آپ حضرات کے لئے نقل کرتا ہوں تاکہ اس بحث کا خاتمہ بالخیر ہو، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے۔ ایک دن ایک شخص رسول خداؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا میں کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہوں اجازت ہوتو عرض کروں؟ آنحضرت نے فرمایا: تم اپنے سوالوں کے جوابات سننا پسند کروگے یا سوالات کو دہرانا بھی چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں جواب سننا چاہتا ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھ سے نیکی وبھلائی اور گناہ وبرائی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو! اس نے کہا جی ہاں میں یہی چاہتا تھا، آنحضرتؐ نے اپنی تین انگلیوں کو اکٹھا کرکے آہستہ سے اس کے سینے پر مارکر فرمایا: یہ بات تو تم اپنے دل سے پوچھ لو، اس کے بعد فرمایا: انسان کا دل اس طرح بنایا گیا ہے جس میں نیکی کا پیوند لگا ہوا ہے، نیکی سے اس کو سکون ملتا ہے لیکن برائی سے پریشان اور مضطرب ہوجاتا ہے۔جیسے انسان کا بدن ہے اگر کوئی ایسی چیز جو اس سے موافقت نہ رکھتی ہواس میں واقع ہوتو پورے نظام کوخراب کردیتی ہے یہی نہیں ناشائستہ افعال کے ذریعے روح انسان بھی اختلال سے دوچار ہوجاتی ہے، ہمارے یہاں جو بولا جاتا ہے کہ فلاں چیز عذاب روح کا سبب بن گئی ہے وہ یہی برائی وبداعمالی ہے۔

استفت قلبک وان افتاک المفتوک :یعنی حقیقت امر کو اپنے دل سے پوچھ لو اور وہ صحیح خبر دے گا۔مفتی حضرات چاہے جو بھی کہتے رہیں، مولانا روم نے اس بات کو اپنی مثنوی میں کہا ہے:

پس پیمبر گفت استفت القلوب   گرچہ مفتیان برون گوید خطوب

اسی طرح ایک اور شعر میں ہے:

گوش کن استفت قلبک از رسول   گرچہ مفتی برون گوید فضول !!

رسولؐ اسلام اسی حساس نکتہ کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر انسان واقعی حقیقت کو تلاش کرنے

والا ہوتو انکشاف حقیقت کے لئے اپنے کو بیگانہ بنالے ایسی صورت میں اس کا دل ہرگز خیانت نہیں کرے گا بلکہ اس کی صحیح رہنمائی کرے گا۔ یہ بات صحیح ہے کہ جب تک انسان حق وحقیقت کا جوئیندہ ہوتا ہے اور راہ حق میں قدم اٹھاتا ہے تو جوبھی اس کو ملے وہ حق وحقیقت ہی ہوتا ہے۔

ہاں ایک بات ہے جس کی وجہ سے زیادہ تر لوگ دھوکے میں مبتلا ہوجاتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان اسی وقت گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے جب شروع ہی سے کسی خاص جہت کونظر میں نہیں رکھتا اور ابتداہی سے خالص حقیقت کا متلاشی نہیں ہوتا۔ایک شخص نے رسول خداؐ سے ''بر'' کے بارے میں پوچھا یہ کیا ہے؟ تو حضرتؐ نے فرمایا: اگرتم واقعی ''بر'' کوتلاش کررہے ہوتو جس کام سے تمہارے دل کو آرام ملے اور تمہارا وجدان آسودہ ہوجائے وہی بر ہے۔لیکن اگرتم کسی چیز کی طرف راغب تو ہولیکن تمہارے دل کو اس سے سکون وآرام نہیں ملتا تو سمجھ لوکہ وہ ''بر'' نہیں ، اثم ہے۔

ایک اور جگہ پرلوگوں نے رسولؐ اسلام سے ایمان کے معنی پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اگرکوئی ایسا ہے کہ براکام کرکے نادم وپشیمان اور ناراحت ہوتا ہے اور اچھا کام کرکے خوش وخرم ہوتاہے تو اس کے پاس ایمان ہے۔امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: مومن جب تعلقات دنیا کی گرفتاری سے آزاد ہوتا ہے تو اپنے دل میں دوستی خدا کی مٹھاس کومحسوس کرتاہے اور اس وقت اس کو زمین تنگ معلوم ہونےلگتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے پور وجود کے ساتھ اس عالم مادہ سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ اولیاء خدا اور مردان خدا نے اپنی زندگی میں اس کوصحیح پایا ہے۔

سیرت رسولؐ میں تحریر ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نماز صبح کے بعد اصحاب صفہ...یہ وہ حضرات تھے جوفقیر تھے، مال دنیا سے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ مدینے میں مسجد رسولؐ کے بغل میں زندگی بسرکرتے تھے....کی تلاش میں نکلے۔آپ کی نظر زید یا حارث بن زید پر پڑی دیکھا کہ بہت ہی کمزورو رنجیدہ ہے،آنکھیں اندرگھس گئی ہیں پوچھا کیسے ہو؟ عرض کیا میں نے ایسی حالت میں صبح کی ہے کہ اہل یقین سے ہوگیا ہوں! آنحضرتؐ نے فرمایا: تم نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے، ذرا بتاؤ تو اس کی علامت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرے یقین کی علامت یہ ہے کہ راتوں کی نیند اڑگئی ہے۔ دن کو روزہ رکھتاہوں، رات کوصبح تک عبادت کرتاہوں! آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ کافی نہیں اور بتاؤ؟ پھراس نے جب بیان کرنا شروع کیا تو کہتے کہتے کہنے لگا خدا کے رسولؐ! میں اس وقت ایسی حالت میں ہوں کہ اہل جنت واہل دوزخ کو گویا دیکھ رہاہوں، ان کی آوازیں سن رہاہوں اگرآپ اجازت

دیں تو آپؐ کے ہر صحابی کے باطن کی خبر بتانا شروع کردوں ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: بس بس اب زیادہ نہ کہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا آرزو رکھتے ہو؟ کہا راہ خدا میں جہاد !

قرآن کہتا ہے : دل کو جلا دینے سے انسان اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں حضرت علیؑ نے فرمایا تھا : اے میرے مالک وخالق ! اگر میرے سامنے پردہ ہٹا بھی دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ ممکن نہیں ہے۔ قرآن کا مطمع نظر ایسے انسانوں کی تربیت کرنا ہے ، جو علم وعقل کے اسلحہ سے لیس ہوں اور قلب ودل کے ہتھیاروں کو راہ خدا میں استعمال کرنے والے ہوں اور اگر ایسے افراد دیکھنا ہوں جو اس کی زندہ مثال ہوں تو ہمارے آئمہ اور ان کے سچے اصحاب کو دیکھو۔

حوالے:

۱۔ یہ آیت قرآن کی عجیب وغریب آیتوں میں سے ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبرؐ جس زمانے میں مکے میں رہتے تھے درحقیقت آپؐ ایک آبادی کے لوگوں سے مخاطب تھے۔ لوگوں کے لئے یہ بات بہت ہی تعجب خیز تھی تنہا ایک آدمی بڑے اطمینان سے کہہ رہا ہے کہ اس آیت کی خبر بہت جلد بعد میں سنو گے کہ یہ کتاب تھوڑی سی مدت کے اندر دنیا والوں کے ساتھ کیا کرے گی؟

۲۔ سورہ بقرہ آیت ۹۷

۳۔ سورہ یاسین آیت ۷۰

۴۔ سورہ ص آیت ۸۷

۵۔ سورہ انبیاء آیت ۱۰۷

۶۔ سورہ حدید آیت ۲۵

۷۔ کیونکہ ایسی صورت میں اپنے ماننے والوں کے لئے عدالت وحق کا نظریہ نہیں پیش کرسکتا بلکہ پھر تو وہ لوگوں کی خواہشات منافع ان کو خوش رکھنے کا مقصد نظر پیش رکھے گا۔ ۱۲

۸۔ سورہ انفال آیت ۲۲

۹۔ دابۃ لغت میں جانوروں کے علاوہ حشرات الارض پر بھی بولا جاتا ہے لیکن عربوں کے استعمال میں یہ صرف چار پاؤں والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ، جیسے گدھا گھوڑا ، خچر وغیرہ۔

۱۰۔ سعدی نے ایک شعر میں اس مطلب کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔

۱۱۔ سورہ یونس آیت ۱۰۰

۱۲۔ سورہ یونس آیت ۱۰۰

۱۳۔اگر ایک چیز سے کوئی دوسری چیز سمجھ میں آئے تو اس کو دلالت کہتے ہیں سمجھانے والی چیز دال اور سمجھی جانے والی مدلول کہلاتی ہے۔ دلالت کی کئی قسموں میں سے ایک دلالت لفظی بھی ہے اور دلالت لفظی کی تین قسمیں ہیں۔ا۔دلالت تطبیقی: یعنی لفظ اپنے پورے موضوع پر دلالت کرے جیسے موٹر بول کے اس کے تمام اجزاء مراد لینا ۲۔ دلالت تضمینی : یعنی لفظ اپنے معنی کے بعد اجزاء پر دلالت کرے مثلاً موٹر یہاں ہے اور اسے اس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا انجن اس کمرے میں ہے۔۳۔دلالت التزامی: لفظ اپنے موضوع کے خارج پر دلالت کرے جیسے حسینؑ سے مظلومیت ، حاتم سے سخاوت اور رستم سے شجاعت مراد لی جائے۔

۱۴۔سورہ بقرہ آیت ۱۱۱۔

۱۵۔سورہ انبیاء آیت ۲۲۔

۱۶۔سورہ رعد آیت ۱۱۔

۱۷۔سورہ حج آیت ۴۵۔۴۶

۱۸۔ سورہ عنکبوت آیت ۴۵

۱۹۔سورہ بقرہ آیت ۱۸۳

۲۰۔دنیائے علم میں جہاں بہت سے اشتباہات ہوتے رہتے ہیں انہی میں سے ایک غلطی یہ ہے جو بہت سے لوگوں کے لئے غلط فہمی کا سبب بنی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ارسطو کی منطق جہاں استدلال کی صورت کی صحت وعدم صحت کی ذمہ دار ہے وہیں مادۂ استدلال کے صحت وعدم صحت کی بھی ذمہ دار ہے لیکن چونکہ منطق کا کام مادۂ استدلال کی صحت وعدم صحت سے متعلق ہی نہیں ہے اور لوگوں نے اس نکتہ کو نہیں سمجھا لہذا حکم لگادیا کہ منطق بے کار ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی یہی غلطی باربار دہرائی جاتی ہے اس کا صریحی مطلب ہے کہ یہ لوگ ارسطو کی منطق کو جانتے بھی نہیں ۔ اگر ہم مکان ہی والی مثال کو پیش نظر رکھیں تو ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ منطق کی حیثیت صحت استدلال میں ایسی ہے جیسی شاقول کی حیثیت دیوار کے سیدھی ہونے میں ہے جس طرح شاقول کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ بتائے اینٹ ٹھیک ہے کہ نہیں ، لوہا صحیح ہے یا نہیں ۔ کیونکہ شاقول صرف یہ بتاتا ہے کہ دیوار سیدھی ہے یا ٹیڑھی ، اسی طرح منطق صرف استدلال کی صورت کی صحت وعدم صحت کی ذمہ دار ہے مادہ کیسا ہے ؟ منطق کا اس سے کوئی ربط نہیں اور اب تو ارسطو کی منطق بعد کے علماء کی وجہ سے بہت ہی مکمل علم ہوگئی ہے۔

۲۱۔ڈیکارٹ کا بھی پہلا قاعدہ یہی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اس کے بعد جب تک میں کافی تحقیق وتفتیش نہ کرلوں گا کسی بات کو قبول نہیں کروں گا اگر ایک فیصد احتمال بھی خلاف میں ہوتو میں اس سے استفادہ نہیں کروں گا بلکہ اس کو ایک کنارے ڈال دوں گا ، یقین کا صحیح مطلب بھی یہی ہے۔

۲۲۔ اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ظنی اور احتمالی مسائل میں اور جہاں پر یقین کا حاصل کرنا ناممکن ہو وہاں پر اسی ظن واحتمال ہی پر عمل کرنا چاہئے لیکن اس میں بھی ظن کو ظن کی جگہ پر اور احتمال کو احتمال کی جگہ پر استعمال کرنا چاہیے نہ یہ کہ ظن واحتمال کو یقین کی جگہ پر استعمال کیا جائے یہی وہ دوسری بات ہے جس کی وجہ سے انسان غلطی کرتا ہے یعنی ظن کو یقین کا درجہ دے دیتا ہے، قرآن اس سے منع کرتا ہے۔

۲۳۔سورہ انعام آیت ۱۱۶

۲۴۔سورہ اسریٰ آیت ۳۶

۲۵۔ یہ بات بیکن کی تقریروں میں بھی ہے، جہاں پر اندھی تقلید کو اس نے بت اجتماعی یا بت عرفی کہا ہے۔ اس کا مطلب بھی اندھی تقلید ہی ہے۔

۲۶۔سورہ بقرہ آیت ۱۷۰

۲۷۔سورہ الرعد آیت ۱۱

۲۸۔اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید یا معاشرہ کے رنگ میں رنگ جانے کی قرآن نے شدت سے مخالفت کی ہے لیکن مسائل فقہ میں ایک مجتہد اعلم وعادل کی تقلید واجب ہے دونوں میں اشتباہ نہیں ہونا چاہئے۔

۲۹۔سورہ نجم آیت ۲۳

۳۰۔سورہ ق آیت ۳۷

۳۱۔سورہ بقرہ آیت ۹

۳۲۔سورہ نجم وماینطق عن الھویٰ ، (رسولؐ) خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے ، ان ھو الا وحی یوحیٰ ، وہ صرف وہی کہتے ہیں جو وحی ہوتی ہے، علمه شدید القویٰ ، اس رسولؐ کو ایک طاقت ور ذات (خدا) نے تعلیم دی ،ذومرة فاستویٰ ، وھو بالافق الاعلیٰ ،وہی مقتدر ملک جو اپنی کامل صورت پر جلوہ گر ہوا اور آنحالیکہ وہ رسولؐ کمال کے افق اعلیٰ پر فائز تھا۔ ثم دنیٰ فتدلیٰ پھر نزدیک آیا اس پر نازل ہوا فکان قاب قوسین اوادنیٰ،دوکمانوں یا اسے بھی زیادہ نزدیک ہوا فاوحیٰ الی عبدہ مااوحیٰ،اپنے بندہ کو جو وحی کرنی تھی کردی وما کذب الفواد مارایٰ،دل نے جو بھی دیکھا ٹھیک دیکھا ، قرآن ان تمام باتوں کو اس لئے کہہ رہا ہے تا کہ یہ بتادے کہ ان مسائل کی سطح حیطۂ عقل سے باہر ہے یہاں دیکھنے اور بلندی حاصل کرنے کی گفتگو ہے اور سورۂ تکویر میں ارشاد ہے: یہ قرآن رسولؐ کا کلام نہیں ہے بلکہ خدا نے اپنے کلام کو ایسے فرشتے کے ذریعے رسولؐ پر القاء کیا ہے جو بہت طاقتور ہے اور خدا کا امین ہے، تم لوگ چونکہ ان کے کلام کو اپنے عقل پر منطق نہیں پاتے ہو اس لئے ان کو دیوانہ خیال کرتے ہو، یہ غلطی ہے، وہ دیوانے نہیں ہیں انہوں نے اس طاقتور فرشتے کو افق میں آشکار دیکھا ، یہ رسولؐ جو کچھ بھی غیب کا مشاہدہ کرتا ہے اپنے

تک محدود نہیں رکھتا اور دوسروں سے بخل نہیں کرتا، علامہ اقبال نے اس جگہ فرمایا ہے: پیغمبرؑ وہ شخص ہے جو حقائق سے لبریز وسرشار ہوتا ہے۔ پھر زمانے کو سامان دینے کے لئے اورمسیر تاریخ کو بدلنے کے لئے جو کچھ اس تک پہنچا ہے اسے بیان کرتا ہے۔ ۱۲

۳۳۔سورہ شمس آیت ۹

۳۴۔سورہ مطفّفین آیت ۱۴

۳۵۔سورہ انفال آیت ۲۹

۳۶۔سورہ عنکبوت آیت ۶۹

۳۷۔سورہ آل عمران آیت ۸

۳۸۔سورہ مطففین آیت ۱۴

۳۹۔سورہ صف آیت ۵

۴۰۔سورہ بقرہ آیت ۷

۴۱۔سورہ انعام آیت ۲۵

۴۲۔سورہ اعراف آیت ۱۰۱

۴۳۔سورہ حدید آیت ۱۶